سید مودودیؒ کی سیاسی فکر کے ۶ نکات

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

مولانا مودودی بیسویں صدی میں اسلامی اجتماعیات کے بہت بڑے مفکر ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی اور اجتماعی نگارشات سے مسلمانوں کے سیاسی افکار کے ذخیرے میں صدیوں کا خلا پُر کیا ہے۔ انہوں نے اسلامی لٹریچر میں سیاسی فکر کو از سرِ نو زندہ کر کے اسلامی سیاسی اجتماعیات میں اسے از سرِ نو بحال کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان صدیوں سے ملوکیت کے شکنجے میں کسے چلے آ رہے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے مفکرین کی بڑی تعداد انفرادی تزکیہ، اصلاحِ ذات اور خانقاہی طرزِ تربیت کی طرف چلی گئی ہے۔ مسلمان مفکرین میں سے جس کسی نے اجتماعی زندگی میں اسلامی سیاسی فکر کو بحال کرنے کی کوشش کی اُسے ملوکیت نے روند ڈالا اور شدید مظالم سے دوچار کیا تاکہ اجتماعیات میں کوئی شخص ان سے بالاتر اقتدار کی یا انسانی بنیادی حقوق کی بات نہ کر سکے یا کوئی جماعت وجود میں نہ لا سکے۔

امام مالکؒ نے صرف اتنی سی بات کہی تھی کہ جبری طلاق وارد نہیں ہوتی لیکن یہ علمی بات اس حقیقت پر منطبق ہوتی تھی کہ جبری بیعت بھی منعقد نہیں ہوتی۔ اجتماعی زندگی کے ایک حقیقی مسئلے کی طرف اتنا سا اشارہ بھی اقتدارِ وقت کو گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ ان کی مشکیں کسی گئیں۔ اُونٹ پر اُلٹا بٹھایا گیا اور سارے شہر میں تشہیر کی گئی۔ یہ شرعی فتویٰ دینے کے جرم میں ان کے ہاتھ پہنچوں سے اُکھاڑ دیئے گئے اور عباسی ملوکیت نے امام دار الہجرت

مدینہ کو بھی معاف نہ کیا۔

امام ابو حنیفہؒ نے ملوکیت کے جابرانہ اقتدار سے تعاون کرنے سے انکار کیا اور حقیقت پر مبنی صرف اتنی سی بات کہی کہ میں صرف اس صورت میں عہدۂ قضا قبول کر سکتا ہوں جب مجھے اس بات کا یقین ہو کہ میری عدالت کا فیصلہ بادشاہ کے خلاف بھی نافذ ہو سکتا ہے ورنہ مجھے دجلہ میں ڈوب جانا قبول ہے لیکن جابرانہ ملوکیت کا جج بننا قبول نہیں ہے۔ چنانچہ ان کا جنازہ ہی جیل خانہ سے نکل سکا۔

امام احمدؒ بن حنبل نے صرف اتنی سی بات کہی تھی کہ بادشاہ کا مسلک قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں مجھے قبول نہیں جب تک قرآن و سنت سے اس کی کوئی دلیل پیش نہ کی جائے۔ اصل اتھارٹی بادشاہ نہیں قرآن و سنت ہیں۔ اسلام کی ایک اجتماعی حقیقت بیان کرنے کے اس جرم میں ملوکیت نے انہیں بیس سال تک قید و بند اور تعذیب سے دوچار کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے بھی اسلام کی یہی سیاسی حقیقت بیان کی تھی کہ اسلامی دستور کی رُو سے باپ سے بیٹے کو حکومت منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ولی عہدی تو کفر کا ملوکانہ دستور ہے جب تک اہلیت، تقویٰ اور مسلمانوں کی اجتماعی رائے اس کی تائید نہ کرے کوئی فاسق و فاجر شخص مسلمانوں کا حاکم ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن انہیں یہ حقیقت بیان کرنے کے جُرم میں قتل کرا دیا گیا۔

ابتدائی صدیوں کی ان ہولناک مثالوں کے بعد مسلمان ملت میں ملوکیت جیسے غیر اسلامی ادارے کے خلاف اُٹھنے اور اجتماعی جدوجہد کرنے کی ہمت جواب دے گئی اور مسلمان مفکرین کی بہت بڑی تعداد انفرادی اصلاح، تزکیۂ ذات اور تطہیر افکار و تعمیر کردار کے موضوعات پر لٹریچر تیار کرتی رہی۔ وہ خانقاہی طرز کے اسلام کی تشریح و توضیح پر اپنا وقت صرف کرنے لگے اور وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس کے اسلامی آداب، اسلامی ریاست اور اس کے حکام کے اوصاف اور اجتماعی سیاسی افکار کے بارے میں لکھنے سے گریز کرنے لگے اس لیے کہ اس دور میں ان مسائل پر لکھنا تعزیر و تادیب کو دعوت دینے کے

مترادف تھا۔

انتہا یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے دور میں بھی جب مسلمان ملوکیت اپنے اضمحلال کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی شاہ ولی اللہ کے اجتماعی سیاسی افکار کی اسلامی تشریحات کو برداشت نہ کر سکی اور ان کے پہنچے اکھڑوا دیئے تاکہ وہ ایسی تحریریں لکھنے سے باز رہیں۔

اس مختصر سے تاریخی جائزے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ کیوں مسلمانوں میں انفرادی تزکیہ پر تو بے شمار لٹریچر موجود ہے لیکن اسلام کے سیاسی افکار کی وضاحت کرتے ہوئے اسلامی ریاست، اصلاح حکام، نظامِ ملکی اور اسلامی قانون و دستور کے بارے میں بہت کم منضبط اور منظم افکار کا ذخیرہ موجود ہے۔ علمی میدان میں یہ عدم توازن اس جابرانہ ملوکیت نے پیدا کیا ہے جو ہم پر ۱۳ صدیوں سے مسلط ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ظالم حکمرانوں کے اس جبر و تشدد نے مسلمانوں کے اجتماعی اداروں کی ترقی دار تقاء میں رکاوٹ ڈالی ہے اور مسلمان دنیا کے رہنما بن جانے کے بعد پھر ان کے اس سے پیچھے رہ جانے کا سبب بھی یہی ملوکیت ہے۔

اس تاریخی پس منظر میں مولانا مودودیؒ کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی نگارشات کو اس علمی خلاء پر کرنے کے لیے وقف کیا اور اپنا بیشتر زور قلم اس عدم توازن کو رفع کرنے پر صرف کیا ہے۔ فی الحقیقت وہ دورِ حاضر میں اسلامی اجتماعیات کے بہت بڑے مفکر اور داعی ہیں۔

مولانا مودودی کے سیاسی افکار بہت واضح ہیں، اُن کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنی بات کو بڑی وضاحت اور سلیقہ سے بیان کرنے کا فن جانتے ہیں۔ وہ کسی علم کی فنی باریکیوں سے صرف نظر کر کے اُسے عام فہم بنا کر مسلم عوام اور خواص تک پہنچا دیتے ہیں اور انہیں بات سمجھا دینے کی حکمت جانتے ہیں۔ اس لیے جب ہم اُن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اُن کی تحریر میں محققانہ خشکی کی بجائے داعیانہ انداز کا جوش اور تحریکی انداز کی قوت و توانائی کا احساس ملتا ہے جو اپنے قاری کو قائل کر کے اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے،

مولانا مودودیؒ کے سیاسی افکار کا سرچشمہ قرآن و سنت ہیں اس لیے مختلف سیاسی امر میں جو موقف اسلام اختیار کرتا ہے مولانا مودودی دلیل و استدلال کے ساتھ اسی موقف کو اپنی سیاسی فکر کی بنیاد بناتے ہیں۔

ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان کے سیاسی افکار کو نکات وار بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تصور حاکمیت: سیاسی افکار میں ان کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ تصور حاکمیت کا ہے۔ اسلام نے اسے یکسر طے کر دیا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ باقی سب مخلوق، بندے اور اس کی رعایا ہے۔

ان الحکم الا للہ

بے شک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے۔

الا لہ الخلق والامر

خبردار جس کی مخلوق ہے اُسی کا حکم چلے گا

مسلمانوں نے ملوکیت کو گوارا کر کے اپنی قوت کے اس سرچشمے پر سب سے پہلے ضرب لگائی جس کے نتیجے میں ان کا سارا انحصار صرف مادی سروسامان پر رہ گیا اور ان کی توحید کے اجتماعی تصور کو سخت نقصان پہنچا۔ مولانا مودودی نے اپنے لٹریچر میں اللہ کی حاکمیت کے اس اجتماعی تصور کو بڑی قوت اور شدت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ صرف اللہ کی سیاسی حاکمیت کے قائل ہیں۔

۲۔ اطاعتِ رسولؐ:۔ مولانا مودودیؒ نے اطاعتِ رسول کے انفرادی پہلو کے ساتھ ساتھ اجتماعی پہلو پر بھی لکھا ہے اور بتایا کہ رسول اکرمؐ قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے بھی اُسی طرح قائد اور رہنما ہیں جیسے انفرادی زندگی میں اُسوۂ حسنہ ہیں۔ ان کا جو طرزِ عمل اجتماعی امور مملکت میں مسلمانوں کے سامنے آتا ہے، اُسے اختیار کرنا بھی لازم ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

اللہ تعالیٰ کے اذن سے رسول کی اطاعت لازم ہے۔

گویا جن اجتماعی اصولوں کے تحت رسول اکرم نے اوّلین اسلامی ریاست بنائی تھی، ان کی روح کو آئندہ ہر اسلامی ریاست کے وجود میں ملحوظ رکھا جائے گا اور جو رہنمائی حضورِ اکرم کے طرزِ عمل سے ملے گی اس کا اتباع کیا جائے گا۔ مولانا مودودیؒ اس سلسلے میں بہت شدت سے اس طرزِ عمل پر عمل درآمد کی وکالت کرتے ہیں۔

۳ — تصورِ خلافت و نیابت :- مولانا مودودیؒ قرآن و سنّت کی تعلیمات سے انسان کے بارے میں یہ سیاسی تصور اخذ کیا ہے کہ وہ اس زمین پر دوسرے حیوانات کی مانند ایک حیوان بنا کر نہیں اُٹھا دیا گیا ہے جو مختلف جانوروں کے روپ بدلتا ہوا اب موجودہ صورت میں انسان بنا ہے بلکہ اس کی پیدائش کے بارے میں قرآن ایک مخصوص سیاسی تصور سامنے لاتا ہے کہ اسے زمین پر دیگر تمام مخلوقات کے مقابلے میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ خدا نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:-

انی جاعل فی الارض خلیفۃ

مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں

اسی طرح مولانا مودودیؒ کی رائے میں انسان کا وجود زمین پر ایک سیاسی وجود ہے اور وہ اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے کہ ایک خلیفہ کی یہی تو اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے آقا کے احکام کو حرف بحرف تسلیم کرے اور انہیں اپنے حدودِ اختیار میں نافذ بھی کرے۔

۴ — بالاتر قانون، قرآن و سنّت :- مولانا مودودیؒ نے اسلامی سیاسی افکار میں قانون پر بحث کرتے ہوئے اس کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے کہ خدا کی حاکمیت اعلیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادتِ عظمیٰ کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ ان کے تمام احکام جو قرآن و سنّت کی صورت میں موجود ہیں۔ وہ دنیا کے انسانوں کے لیے بالاتر قانون کی حیثیت رکھیں اور ان سے کوئی شخص یا ادارہ سرتابی نہ کر سکے۔ یہی قرآن و سنّت کی سیاسی حیثیت اور برتری ہے۔

۵ — مسلمان ایک نظریاتی اجتماعیت :- مولانا مودودیؒ نے قرآن و سنّت کی روشنی میں

مسلمانوں کو ایک مروجہ اصطلاحی قوم تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور انہیں ایک نظریاتی اجتماعیت "ایک ملّت" اور "حزب اللہ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس کا کام حقوق طلب کرنا نہیں بلکہ انسانیت کے چھینے ہوئے حقوق سنبھال کرنا اور انہیں بنیادی حقوق واگذار کرنا ہے۔ مسلمانوں کی قومیت کا تعلق کسی خطے سے نہیں بلکہ پورے عالمِ انسانیت سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ملک و وطن صرف شناخت کے لیے ہیں، مسلمانوں کے نزدیک اس سے زائد ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بدر کے معرکہ نے نسل و قبیلہ، زبان و علاقہ کی قومیت کو یک قلم منسوخ کر دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ اسلامی قومیت کو تسلیم کرتے اور وطنی قومیت کو رد کرتے ہیں۔

۶ — قومی ریاست اور اسلامی ریاست:۔ مولانا مودودیؒ یورپ کی طرز کی قومی ریاستوں کو دورِ حاضر کے تازہ فتنوں میں سے ایک انتہائی خوفناک فتنہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کا وجود شرک پہ قائم ہے اور دُنیا میں فساد کا سب سے بڑا مظہر یہی قومی ریاستیں ہیں جب کہ اسلامی ریاست ایک عالمی انسانی فلاحی ادارہ ہے جس میں غیر مسلم بھی امن و امان اور اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق تمام انسانی اور فطری حقوق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کے حقوق کا تحفّظ شرعی طور پر ریاست کے ذمّے ہوتا ہے اس لیے ان کو ذمی کہا جاتا ہے کہ وہ براہِ راست حکومت کی ذمہ داری میں ہوتے ہیں۔

۷ — اسلامی اجتماعیت میں شورائیت:۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک سیاسی ادارات میں ہر سطح پر شورائیت کا قیام ایک اسلامی فریضہ اور شرعی ضرورت اور معمول ہے۔

امرھم شوریٰ بینھم

ان کے مسائل باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔

اس لیے اسلامی ریاست ایک شورائی ادارہ ہے جس میں مطلق العنانی کسی کی بھی نہیں ہے۔

۸ — اجتماعی زندگی میں فضیلت کا معیار:۔ مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں مال و نسب اور دیگر دُنیوی معیارات کا امتیاز خالص غیر اسلامی ہے۔ ان کا کوئی تعلق اسلامی اجتماعی آداب زندگی سے نہیں ہے۔ اسلام نے تو کہا ہے کہ ان اکرمکم

عند اللہ اتقاکم۔ تم میں خدا سے ڈرنے والا شخص ہی صاحبِ فضیلت ہے۔ اس لیے اسلامی معاشرے میں کوئی طبقات تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ اگر طبقات بن گئے ہوں تو وہ غیر اسلامی طرزِ زندگی کا نتیجہ ہو سکتے ہیں اور اسلام ان کو پہلی فرصت میں تحلیل کرنا چاہتا ہے۔

۹۔ طلبِ مناصب سے بے نیاز اجتماعیت:۔ مولانا مودودیؒ کی رائے میں اسلامی ریاست میں طلبِ مناصب کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح صرف حرص و ہوا میں مبتلا لوگ ہی آگے آتے ہیں جس سے اسلامی اجتماعیت کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی عہدہ طلب کرتا ہے، خدا کی تائید و نصرت اس سے ہٹ جاتی ہے اور جسے اہلیت کی بنا پر خود کوئی منصب دیا جاتا ہے اُسے خدا کی نصرت مل جاتی ہے۔ اس اصول سے ایک اسلامی ریاست کی اجتماعی زندگی میں سے عہدوں کی طلب کے نتیجے میں کشمکش اور باہمی ایک دوسرے کو گرانے یا بدنام کرنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور مسلمان معاشرے میں موافقت اور توافق پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ اسلام اور سیاسی اقتدار:۔ اسلام دورِ ملوکیت میں ایک عالمگیر مشن اور ایک تحریک کے مقام سے گر کر مسلمانوں کا بس ایک مذہب بن کر رہ گیا۔ اور تقریباً دُنیا نے بھی اسے مسلمانوں کا ذاتی مسئلہ سمجھ کر ہی نظر انداز کر دیا۔ مولانا مودودیؒ نے مسلمانوں کے ساتھ اسلام کی انفرادی اور ذاتی حیثیت کے علاوہ اس کی نظریاتی اور عالمِ انسانیت کے لیے اس کی اصلاحی حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔ یہ کہ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ یہ نظامِ حیات ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو نمایاں اور محسوس طرزِ زندگی ثابت کرنے کے لیے اپنا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔ سیاسی غلبے کے لیے اسلامی انقلاب کی ضرورت ہے اور اسلامی انقلاب میں ہی دُنیا کی فلاح مضمر ہے۔ اس طرح مولانا مودودی نے اسلام کو ایک مشن اور ایک تحریک بنا کر اُٹھایا ہے جس نے اوّلین علمبردار مسلمان ہیں اور جو لوگ اس طرزِ حیات کو اختیار کرتے جائیں گے وہ اس کے علمبردار بنتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ پوری

بنی نوع انسان اس کے دائرہِ رحمت میں آجائے گی۔ مسلمانوں کی اس جدوجہد کا نام جہاد ہے اور جہاد خالص ایک نظریاتی اور اصلاحی ہتھیار ہے جو اسلام کی آئیڈیالوجی کو وسعت دینے اور غالب کرنے کے لیے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنا یہ تصور اپنے پورے لٹریچر میں بالعموم اور الجہاد فی الاسلام میں بالخصوص پیش کیا ہے۔

اسلام مروجہ مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں ہے بلکہ ایک عالمی نظریاتی تحریک ہے جس کی مخاطب ساری انسانیت ہے۔ یہ سیاسی اقتدار اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ بنی نوع انسان کو سارے کرۂ ارض پر مختلف جباروں کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اللہ کی بندگی کے لیے آزاد کرے۔ اس طرح اسلام ایک اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور روحانی پروگرام کی طرح ایک سیاسی پروگرام بھی رکھتا ہے جو بنی نوع انسان کو تمام نوعیت کی غلامیوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔

۱۱۔ عدل اور اخلاقی طرزِ عمل کا نفاذ: مولانا مودودیؒ کے نزدیک اسلام کی تحریکی اور سیاسی قوت کو عدل کے نفاذ اور انسانوں کے اخلاقی طرزِ عمل کی نشوونما اور حفاظت کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ نیکیوں یعنی معروفات کا فروغ اور برائیوں یعنی منکرات کا استیصال اسلام کے سیاسی پروگرام کا انتہائی نمایاں حصہ ہے۔ اسلام انسانوں کے طرزِ عمل کے بارے میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ وہ انسانوں کو نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کی سہولت مہیا کرنا چاہتا ہے تاکہ انسانی معاشرے استحصال اور جرائم کے مصائب سے بچ سکیں۔ وہ انسانوں سے اخلاقی اُصولوں کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہے اور اپنی ریاست کے ذرائع و وسائل کو اس کام کے لیے صرف کرنا چاہتا ہے وہ ہر نوعیت کے ظلم اور جبر کے خلاف ہیبت زدہ اور مظلوم کی مدد کرتا ہے۔

انسانوں کے بنیادی انسانی حقوق کو جغرافیائی حدود میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ان پر ساری انسانیت کا حق ہے۔ مولانا مودودیؒ اس کے علمبردار ہیں۔ مولانا کی رائے میں عدل انتظامی حکومت کے ماتحت نہیں ہے۔ وہ ایک آزاد ادارہ ہے جو صدرِ مملکت کو بھی گرفت میں لے سکتا ہے۔ اسلام کے قانونِ عدل میں کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے

ہر فرد کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چل سکتا ہے۔

۱۲۔ حق گوئی اور احتساب:۔ مولانا مودودیؒ اسلامی ریاست میں حق گوئی اور احتساب کو ہر شہری کا حق ہی نہیں کہ فرض قرار دیتے ہیں۔ جبر کے مقابلے میں حق گوئی جہادِ اکبر ہے اور استبداد کے مقابلے میں حق گوئی کر کے جان دے دینا شہادتِ عظمیٰ ہے۔ احتساب بھی ہر شہری کا فرض ہے اور احتساب کا دائرہ ہر سطح تک وسیع ہے۔

۱۳۔ اسلامی ریاست کی مشروط اطاعت:۔ مولانا مودودی سیاسی اطاعت کو غیر محدود اور غیر مشروط قرار نہیں دیتے بلکہ یہ معروف کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر بالاتر قانونِ قرآن و سنّت کے مطابق حکم ہوگا تو اس کی اطاعت کی جائے گی اور اگر اس سے منحرف ہو کر کوئی حکم دیا جائے گا تو مسلمان کے لیے اس حکم کی پابندی لازمی نہیں ہے اس لیے کہ اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔

۱۴۔ خزانہ عوام کی ملکیت:۔ مولانا مودودی سرکاری خزانے کو خدا اور خلقِ خدا کی امانت قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی ملکیت نہیں ہے اس میں جو کچھ داخل ہو قانون کے مطابق داخل ہو اور جو کچھ نکالا جائے قانون کے مطابق نکالا جائے۔ اسے بادشاہوں کی خواہشات پورا کرنے کا ذریعہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ عوام کی امانت ہے اور حاکم صرف اس کے امین ہیں۔ امانت میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔

۱۵۔ اسلامی حکومت خالص جمہوری حکومت:۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک اسلامی حکومت خالص ایک جمہوری حکومت ہے اسے عوام کی مرضی سے وجود میں آنا چاہیے اور عوام کی مرضی بدل جائے تو اسے بدل جانا چاہیے۔ اس میں محاسبے کا اہتمام ہونا ضروری ہے اور اس کے اندر روحِ جمہوریت کا قائم ہونا شرطِ اوّل ہے۔ اس میں استبداد کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ وہ محدود مدت منصب کے قائل ہیں اور محدود مدت کے بعد حکومت کو از سرِ نو عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے۔

۱۶۔ اسلامی انقلاب کا سیاسی طریقہ:۔ مولانا مودودی اسلامی انقلاب کے

کے زبردست داعی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں ان کا طریق کار بیان کیا ہے۔ یہ خالص ایک نظریاتی جدوجہد ہے۔ اس کے لیے انقلابی طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔ لیکن یہ کفار کے مقابلے میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس انقلاب کے لیے جمہوری طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جمہوری طریقہ میں انتخابات بھی شامل ہیں جو صرف مسلمان معاشروں میں ہی ممکن ہیں۔ یہ طریقہ پاکستان میں جماعت اسلامی آزماتی چلی آ رہی ہے۔ تیسرا طریقہ مقبول عام عوامی، انقلابی تحریک ہے، اس کے ذریعے بھی سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا جائز اور درست ہے جیسے ایران میں بہت کامیابی کے ساتھ آزمایا گیا ہے۔ مسلمان ممالک میں عوام کی مسلسل پشت پناہی اور مؤثر جاندار قیادت کے بل پر یہ طریقہ بہت مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے اور اسے جا بجا آزمایا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے با اصول، جرأت مند اور مقبول عام قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ان تینوں طریقوں کو اسلامی طریقے قرار دیا ہے۔

ہم نے اس مختصر سے مقالے میں مولانا مودودیؒ کے سیاسی افکار کے وسیع سمندر میں سے یہ ۱۶ بنیادی نکات بیان کیے ہیں اور اس مختصر سے وقت میں اسی قدر ممکن تھا۔ بلاشبہ مولانا مودودیؒ عہد حاضر کے ایک عظیم انقلابی سیاسی مفکر ہیں، جن کی فکر صدیوں تک مسلمان نوجوانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

(یہ مقالہ مسلم انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام سیمینار بہ عنوان "اسلامی ریاست و سیاست" کے اجلاس منعقدہ ۵ راگست ۸۳ء لندن یونیورسٹی ہال لندن میں پڑھا گیا)۔